مرثیہ

جنت، جہنم

ع کس جنّتِ ارضی پہ جہنّم کا گُماں ہے

بند: ۳۴

سنِ تصنیف: ۲۰۱۷ء

جنّت، جہنّم

(۱)

کس جنّتِ ارضی پہ جہنّم کا گماں ہے
کس وادیٔ شاداب میں آہوں کا دھواں ہے
ہے کون سی یہ خلد جہاں شورِ فغاں ہے
باغات میں پانی کی جگہ خون رواں ہے
ہے کیسی جناں غم سے ہیں ہلکان بہشتی
پھاڑے ہوئے رہتے ہیں گریبان بہشتی

(۲)

ان اہلِ جناں سے کوئی مجبور کہاں ہیں
جاں بخش فضاؤں میں جو محرومِ اماں ہیں
پُر زخم ہیں آنکھیں، کہیں مجروح لباں ہیں
چہروں پہ نشانِ ستم و جور عیاں ہیں
مدّت ہوئی یہ خلد ٹھکانہ ہے ستم کا
ہر روئے حسیں، ہائے نشانہ ہے ستم کا

(۳)

مقسوم ہے بس سوزشِ جاں خورد و کلاں کا
دل جلتا ہے گھر جلتا ہے ہر سوختہ جاں کا
ماحول ہے کیا پُر غم و اندوہ یہاں کا
خوں ہوتا ہے ہر روز جوانانِ جناں کا
نظّارے کو یہ خلد لہو رنگ ہوئی ہے
وسعت میں مزاروں کو زمیں تنگ ہوئی ہے

(۴)

مدّت سے ستم کے ہیں گرفتار بہشتی
لاکھوں شہدا کے ہیں عزادار بہشتی
مرنے کے لیے اب بھی ہیں تیّار بہشتی
کرتے ہیں مگر جبر کا انکار بہشتی
اس جنّتِ ارضی میں بھی دل شاد نہیں ہیں
دنیا تو ہے آزاد، یہ آزاد نہیں ہیں

(۵)

اے دید لہو رونے کو نظّارے کئی ہیں
چشمانِ پری زاد یہاں خوں سے بھری ہیں
چھلنی ہوئی لاشیں یہاں غلماں کی پڑی ہیں
حُورانِ جناں لاشوں پہ منہ نوچ رہی ہیں
کٹ جائے ہے دل، کاٹے ستم، دل کے ثمر کو
چھنتا یہاں دیکھے ہے نظر نورِ نظر کو

(۶)

اوقات میں اس کے ہے سحر چاک گریباں
ہے صبح میں افسردگیٔ شام غریباں
جلتا ہے ہر اک روز مثالِ دلِ سوزاں
اور رات، پسر مردہ کوئی بال پریشاں
کس طرح سے فردوس یہ برباد ہوئی ہے
دیدار سے ہر دید ہی ناشاد ہوئی ہے

(۷)

جنت کہوں؟ جنت میں خرابات نہیں ہیں
اس خلد کے کچھ خلد سے حالات نہیں ہیں
یاں بہرِ سماعت کہیں نغمات نہیں ہیں
اس جا ہیں مزارات محلات نہیں ہیں
جنت نہیں اک خطۂ دل گیر کہے ہے
اب دہر اسی کشمیر کو ''کش میر'' کہے ہے

(۸)

حال تھا گلستاں یہی جاں بخش فضا کا
کیا اس کی ہواؤں میں تھے انفاسِ مسیحا
کیا یہ ہے وہ کشمیر یقیں ہی نہیں آتا
کیا اس کے لیے سیّدِ عرفیؔ نے کہا تھا
''ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید
گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید''

(۹)

اس خلد میں طوفانِ ستم کس نے اُٹھایا
اس خلد کی نہروں میں لہو کس نے بہایا
آتش سے ستم کی یہ چمن کس نے جلایا
سُکانِ جناں کو ہے لہو کس نے رلایا
اس گلشنِ فطرت کو اُجاڑا ہے تو کس نے
اس چہرۂ ہستی کو بگاڑا ہے تو کس نے

(۱۰)

خاموش ہیں دنیا کے جہاں بان و نگہ باں
کشمیر کا دنیا میں ہے ہمدرد نہ پُرساں
رخسارِ زمیں کا ہے یہ اک زخمِ نمایاں
کیا امن کے ایوانوں میں ہے جلوۂ کوراں
نصرت کو کوئی اس کی، دُہائی نہیں دیتا
یہ زخم کیوں دنیا کو دکھائی نہیں دیتا

(۱۱)

یاں فصلِ ہلاکت پہ خاموش ہے دنیا
جنت پہ مصیبت ہے پہ خاموش ہے دنیا
نظارۂ عبرت ہے پہ خاموش ہے دنیا
یاں برپا قیامت ہے پہ خاموش ہے دنیا
آفاق لرز اُٹھتے ہیں اس نوحہ گری سے
مشغول ہیں سب عیش میں کس بے خبری سے

(۱۲)

کیا کیا ہوئی بے داد کوئی سنتا نہیں ہے
نغمات میں فریاد کوئی سنتا نہیں ہے
کشمیر کی اُفتاد کوئی سنتا نہیں ہے
یہ قصۂ ناشاد کوئی سنتا نہیں ہے
درکار ہے ہر ذہن کو تفریح، غضب ہے
نغموں پہ نہیں نوحوں کو ترجیح، غضب ہے

(۱۳)

پابند ہیں لب ان کو رہائی نہیں دیتا
جو ان کے کوئی ان کی دہائی نہیں دیتا
یہ خونِ فراواں بھی دکھائی نہیں دیتا
یہ شورِ قیامت بھی سنائی نہیں دیتا
کس جا بشریّت کا جہاں اہلِ جہاں ہے؟
اے اہلِ حواس آپ کا احساس کہاں ہے؟

(۱۴)

لاریب، ہے آزادی ہر انساں کی امانت
کشمیر کے حق میں ہے روا کیسی خیانت
یہ مسئلہ ہوتا ہے اگر زیرِ سماعت
رکھ لیتے ہیں کانوں میں سبھی پنبۂ غفلت
یہ نوحۂ دل گیر کوئی سنتا نہیں ہے
آوازۂ کشمیر کوئی سنتا نہیں ہے

(۱۵)

سہتے ہوئے یاں جور و ستم ہو گئی مدّت
مدّت سے اذیّت ہے، اذیّت ہی اذیّت
ہر روز اذیّت سے بڑھی غم کی حرارت
اس غم کی حرارت سے اٹھا شورِ قیامت
اس کو نہ فقط نوحۂ کشمیر سمجھنا
اس شور کو آوازۂ شبیرؑ سمجھنا

(۱۶)

ماتم کی صدا سازِ حسین ابن علیؑ ہے
یہ کچھ نہیں اعجازِ حسین ابن علیؑ ہے
یہ حشر سا، اندازِ حسین ابن علیؑ ہے
یہ گونج تو آوازِ حسین ابن علیؑ ہے
آزادیٔ کشمیر کا در کھول رہا ہے
سنتے ہو؟ حسین ابن علیؑ بول رہا ہے

(۱۷)

کوئی نہ کرے بیعتِ بے داد کم از کم
مضبوط ہو احساس کی بنیاد کم از کم
فطرت کا ہو پہلا ہی سبق یاد کم از کم
انسان اگر ہو تو ہو آزاد کم از کم
اس شور میں پیغامِ حسین ابن علیؑ ہے
کہرام یہ، کہرامِ حسین ابن علیؑ ہے

(۱۸)

کشمیر میں آوازۂ ''ھَل مِن'' کا گزر ہے
ہر شخص کی اک منبرِ نیزہ پہ نظر ہے
اک گونج ہے جس سے کہ فضا زیر و زبر ہے
آوازِ حسین ابن علیؑ کا یہ اثر ہے
کہرام ہے، جائز نہیں اس دور میں جینا
توہینِ بشر ہے ستم و جور میں جینا

(۱۹)

یہ جنّتِ ارضی کی زمیں مادرِ اشجار
تا حدِّ نظر پھیلے ہوئے خلد کے گل زار
یہ سبزہ و گل اور یہ باغاتِ ثمر بار
میووں سے بھرے باغوں میں بہتی ہوئیں انہار
اس جنّتِ مقبوضہ میں دل شاد نہیں ہیں
بے کار ہیں نغمات جو آزاد نہیں ہیں

(۲۰)

ایواں کوئی کشمیر کا چارا نہ کرے گا
اقلیم کوئی اس کا مداوا نہ کرے گا
کشمیر کا درمان کوئی کیا نہ کرے گا
جُز کرب و بلا کے کوئی اصلا نہ کرے گا
اقلیم نہ ایوان سے کچھ داد ملے گی
اس خلد کو اک دشت سے فریاد ملے گی

(۲۱)

اس دشت میں ہے عرصۂ محشر کا تخیّل
اس دشت میں مردوں کے ہے مُردوں کا تجمّل
عظیم فدایاں ہے تو لاشوں کا تسلسل
قلّت کا ثبات اور ہے کثرت کا تزلزل
لاکھوں کے مقابل جو کچھ انسان کھڑے ہیں
یہ حریتِ فکر کے ارکان کھڑے ہیں

(۲۲)

گو کم ہیں مگر پیکرِ ایثار کھڑے ہیں
آزادیٔ انساں کے طلب گار کھڑے ہیں
انصارِ بشر، حق کے مددگار کھڑے ہیں
لاکھوں کی سپہ سامنے احرار کھڑے ہیں
یہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں گویا
ثابت قدم ایسے ہیں کہ کہسار ہیں گویا

(۲۳)

یہ جبر و تشدّد سے جو مصروفِ وغا ہیں
آزادیٔ انساں کے لیے ہوتے فدا ہیں
پہچان لے دنیا یہ وہ مردانِ خدا ہیں
جو منکرِ بیعت ہیں جو بے زارِ جفا ہیں
ہر چند کہ ہر دور کے مظلوم یہی ہیں
آزادیٔ انسان سے موسوم یہی ہیں

(۲۴)

کچھ ہو نہ سکا گردِ زمانہ سے نہاں خون
اس دشت میں صدیاں ہوئیں اب تک ہے عیاں خون
بہتا ہے، فقط بہتا ہے جمتا ہے کہاں خون
ریتی میں نہیں جذب، ہے ریتی پہ رواں خون
یہ خون ہے مردانِ خداوندِ جلی کا
یہ خون ہے انصارِ حسین ابن علیؑ کا

(۲۵)

پابند نہیں خون یہ زنہار حدوں میں
خوف اس کے ہی طوفاں کا ہے بے دادگروں میں
اس خوں کی روانی ہے زمانے کی رگوں میں
اس آگ کی حدّت سے حرارت ہے دلوں میں
یہ سوزش و حدّت نہ کبھی سرد پڑے گی
اس خوں کی حرارت نہ کبھی سرد پڑے گی

(۲۶)

ہر دور میں معیار حسین ابن علیؑ ہے
دل والوں کا سالار حسین ابن علیؑ ہے
بے داد سے بے زار حسین ابن علیؑ ہے
اُسوہ پئے احرار حسین ابن علیؑ ہے
آزادیٔ انسان کی منزل بھی سفر بھی
اس راہ کے ہر ایک مسافر کا خضر بھی

(۲۷)

ہے کون حسین ابن علیؑ سمجھو خدارا
دشمن بھی ہو پابند نہیں اس کو گوارا
جس لشکرِ بے داد نے پیاسا اسے مارا
مرتے ہوئے آزادی پہ اُس کو بھی اُبھارا
ایسا دلِ بے کینہ ہو امکان کہاں ہے
تاریخ میں شبیرؑ سا انسان کہاں ہے

(۲۸)

جب مر گئے انصار سبھی دشتِ بلا میں
شامل ہوا احرار کا خوں خاکِ شفا میں
مصروف ہوئے اہلِ حرم آہ و بکا میں
اور گھر گیا سردارِ امم فوج جفا میں
مظلوم پہ اس وقت قیامت کی گھڑی تھی
بے حال تھا اور فوجِ جفا ٹوٹ پڑی تھی

(۲۹)

لہراتے ہوئے تیغیں چلے آئے رسالے
چلنے لگے تیر و تبر و خنجر و بھالے
اک پیاسے پہ سب ٹوٹ پڑے برچھیوں والے
اور عرش ہلانے لگے سادات کے نالے
ہر تیرِ ستم گار کا رُخ شہ کی طرف تھا
جس پر بھی نظر پڑتی تھی شمشیر بکف تھا

(۳۰)

ہر سمت سے ہوتا تھا ستم شاہِ حزیں پر
اک تیر لگا دل پہ تو اک تیر جبیں پر
سالارِ غریباں سے نہ سنبھلا گیا زیں پر
زیں چھوڑ کے رخسار کے بل آیا زمیں پر
اس تپتی ہوئی ریت کی آغوش میں پیاسا
گھائل ہوا اُترا، نہ رہا ہوش میں پیاسا

(۳۱)

تھے غش میں حسین ابن علی شمر پکارا
لو سبطِ پیغمبر کو ابھی زیں سے اُتارا
کرنا ہے ابھی اور تحجّر کا نظارا
بے داد گروں کو ستمِ نو پہ اُبھارا
اب اس کے حرم لوٹ کے طوفان اُٹھا دو
جاؤ ابھی سادات کے خیموں کو جلا دو

(۳۲)

جب فوجِ ستم گر نے سنی شمر کی تقریر
خیموں کی طرف دوڑے لیے آگ کو بے پیر
یک لخت اُٹھا غش سے کھڑا ہو گیا شبیرؑ
آواز یہ آئی کہ ابھی زندہ ہے دل گیر
رُک جاؤ کہاں لوٹ مچانے کو چلے ہو
معلوم ہے کس گھر کو جلانے کو چلے ہو

(۳۳)

رک جاؤ مری عترتِ مغموم سے کیا کام؟
بے داد گرو خیمۂ مظلوم سے کیا کام؟
تم کو حرمِ سرورِ معصوم سے کیا کام؟
سفاک تنو! زینبؑ و کلثومؑ سے کیا کام؟
گر پیروِ حق صاحبِ ایمان نہیں ہو
آزاد کم از کم رہو انسان نہیں ہو؟

(۳۴)

حضرت جو رہِ فوجِ ستم میں ہوئے حائل
کر ختم سخن تابِ سماعت نہیں عادلؔ
پھر ٹوٹے ستم اور چلا خنجرِ قاتل
شہ قتل ہوئے خیموں میں ناری ہوئے داخل
تھا شورِ طرب، جشنِ ظفر، فوجِ جفا تھی
اک نیزے پہ سر دوسرے نیزے پہ ردا تھی

◆◆◆